احیائے اسلام: علامہ اقبال، سید مودودیؒ اور خرم مرادؒ کے افکار جائزہ

Revival of Islam: A review of the thoughts of Allama Iqbal, Syed Maududi and Khurram Murad

Dr. Muhammad Imran Malik
Asst. Professor(Visiting), Deptt. Of Islamic Studies, Baba Guru Nanak University Nankana Sahib:
imranmalik.awan19@gmail.com

Abstract

Khurram Murad a well known Islamic personality who work hard for revival of Islam. Due to his religious background and personal intention towards Islam explore his idea to work for the development of Islam. This research paper is based on qualitative approach to analyse role of Khurram Murad as a rebuilder or reproducer of Islam. The basic motives to present true picture of Islam with its basic principles to be part of life and how these principles are to be carried in order to enhace the reilgion. Khurram Murad explore the Holy Quran to gave information about religion which can be utilized by each community irrespective of race, gender or geopgraphical bounderies. love of Khurram Murad for Allah shows his attitude towards revival of islam. The attributes provided by Khurram Murad is also resembled by other relegious personality Allama Muhammad Iqbal and Syed Abu Al A'ala Maudaoodi, who also indulge themselves in revival of Islam.Allama Iabal through his poetry serves the needs of religion while Khurram Murrad through subjective approach and Syed Madoodi through his relegious knowledge ensures and serve as a rebuilder of Islam. This research paper comprises of theoratical analysis of three major religious personalities and their indulgeness towards Islam. The major focus depicts evaluation of religious principles and how these principles have to be followed in order to get maximum benefit or religious outcomes for all the Muslims and non Muslims.

Keywords: Development of Islam, Rebuilder, Utilization, Motives, Attributes, Religious personality, Religious principles.

موضوع کا تعارف:

برصغیر میں امت مسلمہ کے مجموعی انحطاط کے بعد اس امت اور دین کے احیاء کے لیے جو نامور شخصیات ظہور پذیر ہوتی رہیں، ان میں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ پھر جہادی تحریکوں میں سید احمد بریلوی شہیدؒ اور شاہ ولی اللہ شہیدؒ کی تحریک مجاہدین، اسی طرح اجتماعی تحریکات میں حاجی شریعت اللہؒ کی فرائضی تحریک، جس کے بارے میں پروفیسر اشرف الزماں خاں لکھتے ہیں:

"Haji Shariat Ullah starts a movement after Hajj in the Name of Faraizi Movement. It was a reform movement"[1]

اسی تحریک کے بعد حاجی نثار علی تیتو میرؒ کی تحریک، دارالعلوم دیوبند کی تحریک، سید احمد رضا بریلویؒ کی تحریک، تحریکِ ریشمی رومال، اسی طرح سیاسی تحاریک میں تحریکِ آزادی ہند میں قابلِ ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد بالقلم کی تحریکیں بھی بہت اہم ہیں۔ جن میں قلم کے ذریعے امت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان میں سر فہرست نام علامہ محمد اقبالؒ کا ہے۔

اسی پسِ منظر میں برصغیر میں آخری اور اہم تحریک کا نام لیا جاسکتا ہے، وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی علمی اور فکری، سیاسی تحریک ہے۔ اس لحاظ سے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک کو ان تینوں کی امتزاجی حیثیت حاصل ہیں۔

اسی طرح سید مودودیؒ کی تحریک نے صرف برصغیر مسلمانوں کے لیے علمی، فکری اور سیاسی احیاء کا کام ہی نہیں کیا بلکہ عالمی سطح پر موثر اثرات بھی چھوڑے ہیں۔

یہی وجہ ہے عالمِ اسلام کی جتنی بھی تحریکیں بپا ہوئی، ان سب کے لیے سید مودودیؒ کی تحریک منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ سید مودودیؒ کی تحریک سے فکری، علمی، سیاسی، تحریکی راہنمائی ملتی ہے۔ اخوان المسلمون کے سید قطب شہیدؒ کو جو پھانسی دی گئی تھی، ان پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مولانا مودودیؒ کے فکر کو نقل کیا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ کی فکر سے متاثرین لوگوں میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، پروفیسر خورشید احمد صاحب اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان ہی ناموں میں ایک نام خرم مرادؒ کا ہے۔ جنہوں نے اپنی فکر کے ذریعے سے امت مسلمہ کے مسائل کا ادراک کیا اور اس کا حل بھی پیش کیا۔

1۔ اشرف الزماں خان، اسلام: پروفیسر، اے ٹو زیڈ، اسلامک پبلیکیشنز، منصورہ ملتان روڈ لاہور، دسمبر 2018، ص: 113

Asharf Ul Zaman Khan, Prof, Islam A to Z, Islamic ublications, Mansoorah Multan Road, Lahore, Dec2018, Page-113.

خرم مرادؒ پیشے کے لحاظ سے سول انجنیئر تھے۔ امریکی یونیورسٹی آف مینی سوتا سے سند یافتہ تھے۔ مگر دنیا میں ان کی پہچان کا حوالہ جدید ذہن کو اسلام کے قریب لانے اور داعی الی اللہ کی تھی۔ زیرِ نظر مقالہ خرم مرادؒ کی احیائے امت کی خدمات پر ہے۔ اور اس سے ہمیں جدید ذہن کے لیے تعلیمی اور سیاسی رہنمائی لینا ہے۔

خرم مرادؒ 1996-1932ء عالم اسلام کے معروف دانش ور اور ممتاز دینی رہنما تھے۔ وہ 1932ء میں وسط ہند کی مسلم ریاست بھوپال میں پیدا ہوئے۔ 1953ء میں انہوں نے کراچی یونیورسٹی سے سول انجینئیرنگ مین بی ای اور 1958 میں یونیورسٹی آف مینی سوٹا، امریکہ سے ایم ایس ڈگریاں اعلی اعزاز کے ساتھ حاصل کیں۔ 1955ء تا 1957ء وہ این ای ڈی انجینئرنگ کالج میں لیکچرر رہے۔ وہ ملک کے ایک ممتاز انجینئیر تھے اور مشہور مشاورتی فرم ایسوسی ایٹڈ اینڈ کنسلٹنگ انجینیئرز میں بطور چیف انجینئیر اور ڈائیریکٹر ڈھاکہ،، ایران اور سعودی عرب میں پیشہ وارانہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے برق و آب کے بڑے منصوبوں کے علاوہ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔

حافظ محمد ادریس نے خرم مرادؒ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"خرم مرادؒ بھوپال میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے مدارج طے کرتے ہوئے انہوں نے 1953 میں کراچی یونیورسٹی سے انجنیئرنگ میں گریجویشن کی۔ اس عرصے میں وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہے۔ ایم ایس سی کا امتحان امریکہ کہ مشہور یونیورسٹی منیسوٹا سے اعزازی نمبروں سے پاس کیا۔ ایک کامیاب سول انجینئر کی حیثیت سے ممتاز ملکی و بین الاقوامی کمپنیوں کے ساتھ رہے۔ تقریباڈھائی سال بھارت کی قید میں رہے۔ اس کے بعد ایک سال ایران میں کام کیا۔ اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ سعودی عرب میں خدمات سرانجام دیں۔ اسی دور میں سعودی عرب میں خانہ کعبہ کی توسیع اور خصوصی طور پر حرم مکی کے صحن میں ٹائلوں کے نیچے قدرتی کولنگ سسٹم کے اجرا میں حصہ لیا۔"[2]

تحریک اسلامی کے ساتھ ان کی وابستگی اوائل عمر سے ہی تھی۔ اس سے قبل وہ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظم اعلٰی رہے۔ پھر جماعت اسلامی ڈھاکہ کے امیر اور جماعت اسلامی لاہور کے امیر رہے۔ اور آخری برسوں میں جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر رہے۔ سعودی عرب سے انگلستان منتقل ہونے کے بعد وہ معروف علمی اور دعوتی ادارے، اسلامک فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل کے طور پر کام کرتے رہے۔ ان کی رہنمائی میں انگلستان اور

[2] محمد ادریس، حافظ، عزیمت کے راہی، حصہ اول، ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ، لاہور، ستمبر 2015، ص 85

یورپ میں دعوت اسلامی، نوجوانوں کی تعلیم ع تربیت اور علمی ریسرچ کے کئی منصوبوں کے علاوہ سو سے زائد کتابوں کی اشاعت کا کام ہوا۔ اردو میں 46 اور انگریزی میں 27 چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور درس اور تقاریر کے 88 سی ڈیز موجود ہیں۔ وہ انگلستان سے شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے مسلم ورلڈ بک ریویو اور ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے ایڈیٹر رہے۔

خرم مرادؒ برصغیر کے وہ اسکالر ہیں جن کا ایک ویژن تھا، جدید علوم سے واقف تھے اور جدید تحریکوں سے متاثر تھے۔ اس مقالے میں ہم ان کے فکری ماخذ اور خرم مرادؒ کے احیائے اسلام کے لیے ادا کیے گئے کردار کا تذکرہ کریں گے۔

ریسرچ میتھاڈولوجی:

اس ریسرچ پیپر، کو ریسرچ کے مختلف رائج طریقوں کے مطابق لکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے بیانیہ طریقہ کار کو سامنے رکھتے ہوئے تشریحی طریقہ اختیار کیا۔ اور اس میں پھر کیس اسٹڈی کا طریقہ تحقیق اختیار کیا ہے کیس اسٹڈی جدید دور کا طریقہ کار ہے۔ بالعموم یہ طریقہ شاعروں، افسانہ نگاروں، اور شخصیات کے لیے لکھے گئے مقالہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ کیس اسٹڈی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ: "کسی شخص، خاندان، برادری یا قوم کی زندگی کے متعلق ان تمام پوشیدہ اور غیر پوشیدہ خصوصیتوں کو دریافت کیا جائے، ان کا تجزیہ کیا جائے۔ جس کی وجہ سے ان کی شناخت ممکن ہوئی۔ یہ شناخت خاص کر ان رویوں کے ذریعے ہوتی ہے، جو اشخاص کی طرز زندگی، حسن سلوک، عمل اور رد عمل کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ اور کا ماحول سے ربط بڑا گہرا ہوتا ہے۔ اس کے لیے جو ڈیٹا اکٹھا کیا جاتا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص یا اکائی کی فطری تاریخ مرتب کی جائے۔ اس کی سماجی اسباب اور واقعات سے رشتہ جوڑا جائے، جو اس کے مخصوص ماحول پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ Burgges کیس اسٹڈی کے طریقہ کار کی اہمیت بیان کرتا ہے اور اس کے ذریعے جو ڈیٹا حاصل ہوتا ہے اسے Social Microscope کے نام سے پکارتا ہے۔"[3]

میں نے اس میں یہی طریقہ اختیار کیا کیوں کہ میں نے خرم مرادؒ کی خصوصیات کا تجزیاتی مطالعہ کرنا تھا۔ اور اس میں یہ طریقہ سب سے بہترین ثابت ہوا۔

احیائے اسلام:

---

[3]۔ سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اردو میں اصول تحقیق، اردو اکیڈمی لاہور، 2012، ص:108

اسلام کے معنی گردن جھکانا، یعنی کے سر تسلیم خم کر دینا(To give us resistance or To surrender)اور جو بھی حکم ملے اسے بلاچون وچرا قبول کرو۔اور اس "اسلام "کیلئے قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾[4]

"اے ایمان والو! تم پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاؤ"

اس میں داخلہ جزوی طور پہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ احکام ہر سر تسلیم خم کیا اور کچھ پر عمل کرنے سے انکار واعراض، سرتابی اور سرکشی! اس کا نام اسلام نہیں ہے۔ یہاں جو اصول کار فرما ہے کہ ماننا ہے تو پورا مانو، ورنہ چھوڑو اور دفع ہو جاؤ(Take it all to leave it all)۔ یہاں بیچ بیچ کی بات نہیں چلے گی۔

عربی زبان میں "احیا" کا لفظ زندہ کرنے اور حیات نو دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور فارسی لغت میں بھی کتب لغت نے اس لفظ کے یہی معنی ذکر کئے ہیں۔ "احیاء(Revival)مرے ہوئے جسم میں از سر نو راوح پھونکنا، زندہ کرنا،، زندگی بخشنا، کسی خیال، عقیدے، یا جزبے کو نئے سرے سے ابھارنے کی تحریک۔"[4]

"احیاء" کے مفہوم کو دیکھتے ہوئے "احیائے اسلام" کے معنی یہ ہوں گے، دین کو زندہ کرنا، اسے حیات نو دینا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دین اور دینی اقدار کہ جو زندگی سے محروم ہو چکی ہیں انہیں ہم پھر سے زندہ کرنا۔

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ آیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کو زندہ کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ دین اور دینی اقدار انسانوں اور انسانی معاشروں کیلئے زندگی کی اساس وبنیاد ہیں یعنی در حقیقت زندہ کرنا دین کی صفت ہے جیسا کہ آیت ہے:{یا ایہا الذین آمنوا استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم}[5] اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف پکاریں جو تمہیں زندگی عطا کرے۔

برصغیر پچھلی کئی صدیوں سے پہلے فکر اسلامی اور پھر احیائے اسلام کا اصل مرکز یہی خطہ رہا ہے۔ اس عمل کا اولین آغاز اس وقت ہوا جب تاتاریوں کی تباہ کاریوں سے پناہ کی تلاش میں وسط ایشیا اور بلاد عرب کے لوگ

---

[4]۔ قاسم محمود، سید، اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام، الفیصل ناشران اردو بازار لاہور، مارچ2012، ص:19

[5]۔ سورۂ انفال:۲۴

ہندوستان آنا شروع ہوئے۔ چین سے لے کر روس اور وسط ایشیا سے لے کر یورپ تک تاتاری جہاں جاتے یلغار کرتے اور کوئی ان کا مقابلہ کرنے والا نہیں تھا۔ ایسے میں جائے پناہ صرف ہندوستان تھا جہاں سلاطین دہلی حکمران تھے۔ ان سلاطین نے عشروں تک تاتاریوں کو پے در پے شکست دے کر اس وقت انھیں اس خطے پر قابض ہونے سے باز رکھا جب پوری دنیا تاتاریوں کی رزم گاہ بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنی جان اور آبرو بچا کر اس خطے میں آگئی۔ مسلسل عروج کے بعد یہاں بھی زوال کا سفر شروع ہوا۔ برصغیر میں امت مسلمہ کے مجموعی انحطاط کے بعد اس امت اور دین کے احیاء کے لیے جو نامور شخصیات ظہور پذیر ہوتی رہیں، ان میں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ پھر جہادی تحریکوں میں سید احمد بریلوی شہیدؒ اور شاہ ولی اللہ شہیدؒ کی تحریک مجاہدین، اسی طرح اجتماعی تحریکات میں بنگال میں حاجی شریعت اللہؒ کی فرائضی تحریک جس کا نعرہ تھا "زمین اللہ کی ہے

اسی تحریک کے بعد حاجی نثار علی طیتومیرؒ کی تحریک، دارالعلوم دیوبند کی تحریک، سید احمد رضا بریلویؒ کی تحریک، تحریکِ ریشمی رومال، اسی طرح سیاسی تحاریک میں تحریک خلافت، تحریکِ آزادی ہند میں قابلِ ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد بالقلم کی تحریکیں بھی بہت اہم ہیں۔ جن میں قلم کے ذریعے امت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ جن میں گزشتہ صدی میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے۔

علامہ اقبال نے شعور کی آنکھ کھولی تو پورا عالم اسلام نہایت ہی پیچیدہ مسائل کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ فکری اور سیاسی دونوں اعتبار سے مغرب اس پر حاوی ہو چکا تھا۔ بیشتر اسلامی ممالک مغربی سامراج کے محکوم تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ اس موقع پر اس صدی میں جو آوازیں بلند ہوئیں ان میں سب سے توانا، بلند اور موثر آواز علامہ اقبال کی تھی۔ اقبالؒ نے احیائے اسلامی کی آواز کو بلند کیا۔ احیائے اسلام کی تمنا بالکل ابتدائی زمانے میں ہی سے ان کے ہاں موجود تھی۔ اظہار کی صورت میں اس میں تبدیلی ہوتی رہی مگر بذات خود یہ تمنا کبھی سرد نہیں ہوئی بلکہ عمر کے ساتھ اس جذبے کی حرارت و شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ احیائے اسلام کے لیے فکری اور علمی سطح پر عالم اسلام کی فضا کو سازگار بنانے میں علامہ اقبال کا رول اہم ہے۔[6] علامہ اقبال بیسویں صدی میں احیائے اسلام کی جدوجہد میں ایک نمایاں علامت کی حیثیت رکھتے ہیں اسلام کی سربلندی کے لیے ان کے بے تاب

---

[6]۔ محمد ازہر شاہ قیصر، سید، حیات انور، دیوبند۔ س ن، ص:125

جذبوں اور مضطرب تمناؤں کا راز اس امر میں پوشیدہ ہے کہ انہیں اسلام کی حقانیت کے ساتھ، اسلام کے روشن مستقبل پر بھی کامل یقین تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عالم اسلام کے مایوس کن حالات کے پس منظر میں، اقبال کی طرف سے غلبہ اسلام کی یہ نوید:

آسماں ہو گا سحَر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظُلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنّم آفریں بادِ بہار
نگہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے [7]

امید اور یقین کی شمع تھی جو اقبالؒ احیائے اسلام کے لیے جلا رکھی تھی۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

"اس وقت جو قوتیں دنیا میں کار فرما ہیں، ان میں سے اکثر اسلام کے
خلاف کام کر رہی ہیں لیکن "لیظهره علی الدین کله "کے دعوے
پر میرا ایمان ہے کہ انجام کار اسلام کی قوتیں ہیں کامیاب ہوں گی" [8]

رفیع الدین ہاشمی صاحب نے احیائے اسلام کے لیے علامہ اقبال کے مجموعی کام کو تین دائروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1. فرد کی تربیت

---

[7]۔ بال جبرائیل ص:160

[8]۔ رفیق افضل، محمد، گفتار اقبال، ادارہ تحقیات پاکستان پنجاب یونیورسٹی لاہور، 1929، ص:19

2. فکری و علمی کاوشیں

3. پاکستان کا تصور اور اس کے لیے عملی جدوجہد[9]

1) علامہ اقبالؒ کے نے تاریخ عالم کے مطالعے سے جو نتیجہ اخذ کیا کہ جب تک فرد اپنے اخلاق و اطوار، سیرت و کردار میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا تب تک معاشرے میں کسی بڑے انقلاب کی توقع عبث ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں:

"دنیا میں کسی قوم کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس قوم کے افراد اپنی ذاتی اصلاح کی طرف توجہ نہ کریں۔"[10]

اقبالؒ کے نزدیک انسانی کردار کی تکمیل میں قرآن پاک زبردست معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک بار چند نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"یاد رکھو مسلمانوں کی لیے جائے پناہ صرف قرآن حکیم ہے۔ میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر سے علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے۔"[11]

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نصیحت کی کہ:

"قرآن مجید کا صرف مطالعہ نہ کرو بلکہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"[12]

علامہ قبال، احیائے اسلام کے لیے جس انقلاب کے داعی ہیں، اسے برپا کرنے کے لیے خودہ، فقر اور عشق سے متصف ہونا ضروری ہے۔ فرد کے اندر یہ صفات پیدا ہو جائیں تو وہ "مرد مومن" کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ احیائے اسلام کے سلسلے میں مرد مومن کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

---

[9]- رفیع الدین ہاشمی، اقبالیات: تفہیمات و تجزیہ، اقبال اکادمی لاہور، 2010، ص:140

[10]۔ نقوش اقبال نمبر دوم، 1977-78، ص:404

[11]۔ گفتار اقبال، ص:213

[12]- ایضاً

2) مسلمان انگریزوں کی سیاسی غلامی کے ساتھ ذہنی اور فطری اعتبار سے بھی مغرب سے مغلوب ہو چکے تھے۔ اس کے نتیجے میں اول وہ نیشنلزم کے سراب کا شکار تھے دوم دین و دنیا کی علیحدگی کا تصور ان میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ سوم مغربی تہذیب سے مرعوبیت نے ان کی ذہن و فکر کو مفلوج کیا دیا تھا، علامہ اقبال نے ان تینوں فکر پر ضرب لگائی۔ جس کے نتیجے میں تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مغرب سے مرعوبیت ختم ہونے لگی اور احیائے اسلام کے لیے فضا اور ساز گار ہو گئی۔ مغرب زدہ طبقہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اسلام محض ملا کا مذہب نہیں، بلکہ ایک کامل دین ہے۔ جو عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے اور جملہ مسائل و معاملات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بار فرمایا:

> "آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے۔ جس میں زندگی کے ان سینکڑوں، ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی و بین الاقوامی سیاسی، معاشی اور سماجی احوال و ظروف نے پیدا کر دیا ہے"

3) ہندوستان میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست جس بعد میں پاکستان کا نام دیا گیا کے تصور اور اس کے حصول کے لیے عملی کوششیں، احیائے اسلام کے لیے اقبال کی مساعی میں آخری سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگرچہ علامہ اقبالؒ نے مغرب کے تصور وطنیت کو رد کر کے ملت کا تصور دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اسلام ایک فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیاے ہونے کی حیثیت سے کائنات کے کسی بھی مس ءلے کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے سیاست و ریاست کے معاملات بھی مسلمان کے لیے اتنے اہم ہو گئے ہیں جتنے مذہب، شریعت اور دین کے مسائل۔[13] امر بالمعروف و نہی عن المنکر تب ہی ممکن ہو جب اقتدار مسلمانوں کے پاس ہو۔

---

[13]۔ اقبالیات: تفہیم و تجزیہ، ص:142

"مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے اس سے
ظاہر ہے کہ اشاعے حق کے پیچھے طاقت کی حمایت ہونی چاہیے ورنہ بغیر
طاقت کے امر و نہی کیسے ممکن ہے۔ اگر مسلمان امو نہی کے فرائض ادا
کرنا چاہتے ہیں تو ان کے بازوؤں میں طاقت ہونا ضروری ہے۔"[14]

احیائے اسلام کے لیے علامہ اقبالؒ کے ایمان افروز مشن کی داستان، اقبال کے نام لیواؤں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبالؒ نے احیائے اسلام کے لیے عمر بھر کاوشیں کیں ابھی ان کی تکمیل باقی ہے۔ اس کام کو مکمل کرنے کا بیڑہ پاکستان میں سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور اور خرم جاہ مرادؒ نے اٹھایا تھا۔ جو ابھی تک جاری (چلتے بھی چلو کہ منزل ابھی نہیں آئی) ہے۔

سید مودودیؒ اور احیائے اسلام:

اسی پسِ منظر میں بر صغیر میں آخری اوراہم تحریک کانام لیاجاسکتاہے، وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی علمی وفکری اور سیاسی تحریک ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز پر مسلمانوں کا سیاسی زوال اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اس سیاسی زوال کے زیر اثر مسلمانوں میں احیائے اسلام کی فکر پیدا ہوئی جس کا مطمع نظر ایک دفعہ پھر دنیا پر اسلام کی عظمت کو غالب کرنا تھا۔ اس فکر کے حاملین وہ اہل علم تھے جنھوں نے پچھلے تینوں تفسیری دھاروں کی طرح قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا کام کرنے کے علاوہ عوام الناس میں قرآن فہمی کا ذوق بھی پیدا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے صحافت کے نئے نئے عام ہونے والے انتہائی موثر ذریعہ ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خیالات کو وسیع پیمانے پر عوام میں پھیلانا شروع کر دیا۔ احیائے اسلام اور دعوت الی القرآن کا نعرہ لگانے اور صحافت کے ذریعے سے بہت وسیع پیمانے پر اپنے خیالات کا ابلاغ کرنے والے یہ اہل علم مولانا آزاد اور مولانا مودودی ہیں۔ مولانا آزاد نے احیائے اسلام کی صدا بلند کی اور ساتھ میں ترجمہ و تفسیر کا کام بھی کیا۔ مگر عملی سیاست میں ان کی دلچسپی ان کے تفسیری اور فکری کام میں رکاوٹ بنی رہی اور ان کی تفسیر "ترجمان القرآن" مکمل نہ ہو سکی۔ مولانا مودودی نے عملی سیاست سے مکمل کنارہ

[14]۔ نقوش اقبال، ص:309

کشی اختیار کرتے ہوئے صرف فکری محاذ پر خود کو وقف کیا اور اپنے رسالے ترجمان القرآن سے احیائے اسلام کو ایک پوری فکر کی شکل میں منظم کر کے پیش کیا جس کی اساس قرآن مجید پر رکھی گئی تھی۔

"علمی، فکری اور سیاسی تحریک" اس لحاظ سے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک کو ان تینوں کی امتزاجی حیثیت حاصل ہیں۔ اسی طرح سید مودودیؒ کی تحریک نے صرف برصغیر مسلمانوں کے لیے علمی، فکری اور سیاسی احیاء کا کام ہی نہیں کیا بلکہ عالمی سطح پر موثر اثرات بھی چھوڑے ہیں۔

یہی وجہ ہے عالمِ اسلام کی جتنی بھی تحریکیں بپا ہوئی، ان سب کے لیے سید مودودیؒ کی تحریک منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ سید مودودیؒ کی تحریک سے فکری، علمی، سیاسی، تحریکی راہنمائی ملتی ہے۔ اخوان المسلمون کے سید قطب شہیدؒ کو جو پھانسی دی گئی تھی، ان پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مولانا مودودیؒ کے فکر کو نقل کیا ہے۔ یہ (سید مودودیؒ) اس عہد کی واحد (مسلم) شخصیت تھی، جو مذہبی اور غیر مذہبی سائنسز (علوم) پر یکساں ادراک رکھتی تھی۔ (برصغیر کی) وہ واحد ہستی، جس نے مقامی اور نو آبادیاتی صورت حال کے بین بین اپنا مقام متعین کیا تھا، یہی تبدیلی کا سچا محرک ثابت ہو سکتا تھا۔ 1918ء میں فقط پندرہ سال کی عمر میں مودودی نے صحافت اور فکری تحریروں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، یہ انتہائی ذہین فرد کا سوچا سمجھا شعوری قدم تھا، جس میں اپنے نکتہ نظر کی ترویج کا بھرپور جذبہ موجود تھا۔ مودودی کے تصورات نہ صرف سید قطب جیسے مفکرین نے قبول کیے جو انقلابی اور جنگجو اسلام پسندوں میں مقبول ہیں، بلکہ انہوں نے اعتدال پسند عالم یوسف القرضاوی پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ وہ متواتر مودودی کے تصورِ احیاء اسلام کا استعمال کرتے ہیں۔ عہدِ حاضر کی مسلم فکر پر مودودی اثرات مسلّم ہیں، ان کی 'جاہلیت' کی اصطلاح آج کی مسلم دنیا میں قبولِ عام پا چکی ہے، بالکل اسی طرح، اسلام کا فہم بطور جامع دین اور طرزِ حیات، جو مودودیؒ سے پہلے اس طرح واضح نہیں کیا گیا، انتہائی مختلف روایتوں کے حامل مسلمانوں کے لاشعور میں یکساں طور پر سرایت کر گیا ہے۔ بالخصوص طرزِ حکومت پر خدا کی 'حاکمیتِ کُل' کا تصور عالمی سطح پر اسلام پسندوں میں بے حد مقبول ہوا۔

1970ء کی دہائی سے شروع ہونے والی اسلامی علامات، عقائد، اعمال، اداروں، پالیسیوں اور تنظیموں نے مراکش سے انڈونیشیا اور الجزائر سے قازقستان تک پھیلے ہوئے ایک ارب مسلمانوں کی تائید اور وابستگی جیت لی۔ اسلامیت کا رجحان اس طرح رہا کہ یہ پہلے ثقافتی شعبے میں وقوع پذیر ہوئی ہے اور بعد ازاں معاشرتی اور سیاسی شعبوں

میں سرایت کر گئی ہے۔ دانش ور اور سیاسی لیڈر خواہ اس کے حامی ہوں یا مخالف، نہ تو اس کو نظر انداز کر سکتے تھے، نہ اس کو ایک یا دوسرے انداز میں اختیار کرنے سے گریز کر سکتے تھے۔ 1995ء میں غالب مسلم آبادی والا ہر ملک پندرہ برس پہلے کے مقابلے میں تہذیبی، سماجی، اور سیاسی حوالے سے زیادہ اسلامی اور اسلام پسند ہو چکا تھا... 1990ء کی دہائی کے شروع سے مصر میں تنظیموں کا جال سا بُن دیا گیا جو کہ صحت، بہبود، تعلیم اور دوسری خدمات کے حوالے سے حکومت کے چھوڑے ہوئے خلاء کو پُر کرتے ہوئے کثیر تعداد میں مصری غریبوں کی امداد کر رہی تھیں۔ 1992ء میں قاہرہ میں زلزلے کے بعد اسلامی تنظیمیں چند گھنٹوں کے اندر ہاتھوں میں خوراک اور کمبل لے کر گلیوں میں نکل آئی تھیں، جبکہ حکومتی کوششیں بہت بعد میں شروع ہوئیں۔ اردن میں 'مسلم اخوت' معاشرتی اور سماجی اداروں پر مبنی ایک اسلامی جمہوریت کا ڈھانچہ تیار کرنے کی سعی کر رہی تھی، اور 1990ء کی دہائی کے آغاز سے چار کروڑ کی آبادی والے اس چھوٹے سے ملک میں ایک بڑا اسپتال، بیس شفاخانے، چالیس اسلامی اسکول، اور ایک سو بیس اسلامی مطالعاتی مراکز چلا رہی تھی۔ ستّر اور اسّی کی دہائی میں سارے انڈونیشیا میں اسلامی تنظیمیں پھیل گئیں۔ ساٹھ لاکھ افراد کی بڑی تنظیم 'محمدی جاہ' نے سیکولر ریاست کے اندر مذہبی فلاحی ریاست قائم کی اور اسکولوں، کلینکوں، اسپتالوں اور فلاحی اداروں کے ذریعے پورے ملک کو 'آغوشِ مادر سے قبر تک' خدمات فراہم کیں۔ بیشتر انقلابی تحریکوں کی طرح مرکزی عنصر طلبہ اور دانش وروں پر مشتمل ہے۔ بیشتر ملکوں میں بنیاد پرستوں نے طلبہ تنظیموں پر قبضہ جمالیا ہے۔ یہی تنظیمیں سیاسی عمل کا پہلا مرحلہ تھیں۔ مصر، پاکستان، اور افغانستان کی جامعات میں ستّر کی دہائی میں اسلام پسندوں کی کامیابی نے بتدریج دیگر ملکوں کا رخ کیا۔

سید ابوالاعلیٰ کی فکر سے متاثرین لوگوں میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نمایاں تھے۔ مودودیؒ کی فکر کے دھارے ڈاکٹر اسرار احمد سے ہوتے ہوئے، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا نعیم صدیقی، پروفیسر خورشید احمد صاحب تک پہنچے۔ ان ہی ناموں میں ایک نام خرم مرادؒ کا ہے۔ جنہوں نے اپنی فکر کے ذریعے سے امت مسلمہ کے مسائل کا ادراک کیا اور اس کا حل بھی پیش کیا۔

خرم مرادؒ اور احیائے اسلام:

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا کرتے دیتے ہیں اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں رہنمائی عطا کرتے ہیں۔ اپنے دین کی خدمت، اس کے پیغام کی سرفرازی، و سربلندی

اور دیگر انسانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ تاریخ اسلامی کا دامن ایسے نفوس قدسیہ کے افکار و خدمات کے تذکروں سے مالا مال ہے، جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات، بے خدا تہذیب کے زہر آلود نظریات اور بے گناہ افکار و توہمات کی جھاڑ جھنکار میں اللہ کے خالص دین کو لوگوں تک پہنچایا اور احیائے اسلام کا اہم فرض نبھایا۔ ذہنی پراگندگی کو دور کرنے کی کوشش کی، دین پر دشمنوں کو حملوں کا جواب دیا اور محض اللہ کی رضا کے لیے، اسی کے فضل و کرم کے طفیل، اپنی جان کو اس کے کام میں کھپایا۔

اسلامی تحریک کے رہنما اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والے خرم مرادؒ کی زندگی کے شب و روز پر سرسری نظر ڈالیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ بھی احیائے اسلام کے لیے اللہ کی طرف سے منتخب بندوں میں شامل تھے۔ جن کے قلب و ذہن، دست و قلم اور جسم جان کی تمام قوتوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے احیا کا کام لیا۔

خرم مرادؒ احیائے دین کی ابتداء کو تعلق باللہ سے جوڑنے کا سخت مؤقف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک احیائے اسلام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط نہ بنالیں۔ خرم مرادؒ اپنے خالق سے تعلق کو مضبوط رکھنے کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا اصل مقصد ہی یہی ہے کہ بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح طریقے سے قائم ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں مخلوق اپنے خالق سے جڑ جائے اور صحیح طریقے سے جڑ جائے تو پھر اخلاق اور اعمال، سیاست اور معیست درست ہو سکتے ہیں۔ کامیابی کے سارے وعدے بھی اسی کے ساتھ مشروط ہیں کہ یہ تعلق درست اور صحیح ہو۔ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامیابی سب اسی پر منحصر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اسی بات کی تعلیم پر ضرور دیا سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر ایمان ایک خالی خولی ایمان ہے جس کے الفاظ زبان سے ادا ہو جاتے ہی لیکن دل میں نہیں اترتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ نفع و نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ مانگتا ہے تو اس ہی سے مانگو۔ سوال کرنا ہے تو اسی سے سوال کرو۔ مدد چاہے بغیر کچھ چھین نہیں سکتا۔ پھر آپ نے اس کو اور پھیلایا کہ اللہ تعالیٰ تو ایسی ذات ہے جس کا احاطہ آدمی نہیں کر سکتا۔ آپ نے یہ بتا کر اس بالکل انسان سے قریب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا کہ اگر تم بھوکے ہوتے ہو تو میں کھانا کھلاتا ہوں، پیاسے ہوتے ہو تو میں پانی پلاتا ہوں، بے لباس ہوتے ہو تو میں لباس عطا کرتا ہوں، بیمار ہوتے ہو تو میں شفا بخشتا ہوں۔ اور جو بھی تمھاری ضرورت ہے، وہ سب

بھی میں دے دوں تو میرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ تو اپنے اعمال کی فکر کرو۔ میرے ساتھ تعلق درست رکھو۔ گناہ بھی ہوں گے تو میں معاف کر دوں گا۔[15]

اس بات کے اندر بظاہر تو ایسی کوئی نئی بات نہیں ہے جو پہلے سے ہم جانتے اور مانتے نہ ہوں، لیکن اس کے چند پہلو ایسے ہیں جن کی تذکیر اور یاد دہانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے تعلق کے مختلف پہلوؤں کا علم حاصل کرنے لے لیے ضروری ہے۔

خرم مرادؒ موجودہ دور میں احیائے اسلام کے حولے سے لوگوں سے یہی مطالبہ کرتے ہوئے نظر آئے کہ مسلمان اپنی اصلی کی جانب لوٹ آئیں، مادی شرک اور دیگر تمام خرافات کو ختم کر دیں، وہ لکھتے ہیں:

"عہد جدید کا شرک تو یہی ہے کہ ہر چیز کو مادی اسباب میں تلاش کرو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مادی اسباب پر نظر نہیں ڈالنی چاہیے، نہیں دیکھنا چاہیے۔ لیکن اسی کو کل سمجھ لینا کہ جو ہوتا ہے، انھیں کی وجہ سے ہوتا ہے اور آدمی نے جو کچھ کیا، اپنے زرخیز ذہن کی بنا سے کیا اور یہ ترقی ہوئی اور ہوتی رہے گی، یہ شرک ہے۔ جن لوگوں نے یورپ کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ 1914ء کی جنگ سے پہلے سارے فلاسفر اور سیات دان اور علماء اس بات کے قائل تھے کہ انسان کی یہ ترقی ایسے کر رہا ہے جو مسلسل جاری رہے۔ جس کو انگریزی میں Linear Progress کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک لائن میں ترقی بڑھتی جائے گی، گھٹے گی نہیں۔ لیکن پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے اصحاب الکہف کے قصے میں کہا ہے کہ اچانک ایک طوفان آیا، ساری کھیتی اوندھی ہو کر رہ گئی، سب کی جڑ کٹ گئی، اسی طرح دوسری جنگ عظیم کا طوفان آیا اور ڈھائی کروڑ آدمی مر گئے۔ یورپ تخت و تاراج ہو گیا۔"[16]

خرم مرادؒ کہتے ہیں کہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے بلکہ اسے حرف آخر ہی سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو فرماتا ہے کہ میری عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرو، اختیارات سارے میرے ہیں۔

خرم مرادؒ ا ایمان میں اللہ سے محبت کی حلوت کی اہمیت بیان کرتے ہیں کہ یہ محبت تو ایمان کی روح اور ایمان کی جان ہے۔ اس کے بغیر تو ایمان چند الفاظ کا مجموعہ ہے جو کہ صرف زبان سے ادا ہو جائے۔، ایک لباس ہے جو

---

[15]۔ خرم مرادؒ، شرک سے پاک اللہ کی بندگی، ادارہ منشورات لاہور، 2000، ص:04

[16]۔ شرک سے پاک اللہ کی بندگی، ص:19، 18

انسان اپنی وضع قطع اور چال ڈھال کے مختلف طریقوں سے اپنے اوپر ڈھال لے۔ لیکن اصل ایمان تو وہ ہے جو دکو بھی لذت بخشے اور جس کے پیچھے چلنے کا مزہ آئے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اس پر فرمایا تھا کہ: جن چیزوں سے ایمان کی مٹھاس حاصل ہوتی ہے ان میں اسے ایک یہ ہے کہ "اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان دو کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ پیارے اور محبوب ہو جائیں"۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تبھی ایمان دل میں اترتا ہے، ایمان کا مزہ آنے لگ جاتا ہے اور اسی سے ایمان کی لذت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

محبت کی راہ میں کسی کو دھکا نہیں دیا جاتا کہ جاؤ اپنے مطلوبہ کوچے کی طرف، جو محبوب ہے اس کی گلی میں جاؤ، اس کے گھر کے دروازے پر جاؤ، اس کا نام یاد کرو، اسے پکارو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سبق کسی کو پڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ محبت خود ہی استاد میں سب سے بڑی استاد ہے، سکھانے والوں میں سب سے بڑی سیکھانے والی اور قوتوں میں سب سے بڑی قوت ہے۔ محبت اس قدر صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیتی ہے حتیٰ کے جمادات و نباتات کے دل بھی فتح کر لیتی ہے۔ محبت کے ذریعہ آپ کسی بھی انسان کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔[17]

یہ اللہ کی محبت ہی کی قوت ہے اور یہ سب اللہ کے واسطے سے ہی کہ بہت ساروں کی محبت، یعنی کہ اللہ کے رسولوں سے محبت، اس کی کتاب سے محبت، اس کے دین سے محبت، اس کی امت سے محبت اور اس کی راہ میں ساتھ چلنے والوں کی۔ یہی محبت کی زندگی ہے۔ اس کی کمی ان سارے مسائل کی جڑ ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔ جتنی یہ محبت پیدا ہوتی جائے گی، دل میں اترتی جائے گی اور جتنی رچتی بستی جائے گی، اتنا ہی ان مسائل سے چھٹکارا ملتا جائے گا، لہذا اللہ کی محبت کی فکر کرنی چاہیے اور اسی کی طرف اپنے قدموں کو بڑھانا چاہیے۔[18]

خرم مرادؒ ایمان، جہاد اور دعوت کی بنیاد پر مبنی کردار کو احیائے اسلام کا منبع قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

---

[17]۔ خرم مرادؒ، اللہ سے محبت زندگی کا حسن، منشورات لاہور، 2002، ص:04

[18]۔ ایضاً، ص:05

"میرے بھائیو اور بہنو! دراصل انقلاب لانے کے لیے اس انقلابی کردار کی ضرورت ہے جو ایمان، جہاد اور دعوت سے بنتا ہے۔ ایمان، جہاد اور دعوت سے اس کردار کی بنیاد پڑے، اس کا نقشہ بنے، اس کی عمارت اٹھے، اس کی زینت کا سامان ہو، اس میں رنگ آئے۔ ایک مرتبہ اگر آپ اس بات کو سمجھ لیا تو آپ کو اللہ سب سے زیادہ پیارا ہو گا، سب سے بڑھ کر آپ اس کی محبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اسی سے امیدیں باندھیں اور اسی سے ڈرے، اسی کے اجر کے طالب رہے، ساری قوتیں، ساری صلاحیتیں اس کی راہ میں لگائیں، پھر آپ دیکھیں کہ اللہ کا وعدہ آپ کے ساتھ پورا ہو گا کہ (آل عمران:139) "تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"۔ یعنی اگر تمہارے پاس ایمان ہو گا، ایمانی کردار ہو گا، تو تم ہی زمین پر غالب رہو گے۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ زمین کی خلافت بھی آپ کی منتظر ہے۔ لیکن یہ منتظر ہے اس کردار کا جو ایمان، جہاد اور دعوت سے آراستہ ہو اور ان ہی ہتھیاروں کو لے کر آگے بڑھے۔"[19]

یہ ایمان اور یہ جہاد ہی وہ چیزیں ہیں جن سے اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ جو زندگی کے نور سے منور ہو گی، جو زندگی جہاد کے راستے پر رواں دواں ہو گی، تو وہی زندگی اسلامی انقلاب کی منزل سے ہمکنار ہو گی۔ ایمان کا چراغ آپ اپنے دل کی محراب میں روشن کر دیں، یہاں تک آپ کی پوری زندگی منور ہو جائے گی۔ اپنے دل میں ایمان کا شعلہ اس طرح سجائیں کہ ستارے سی چمک کر ساری دنیا کی زندگی کی نئی راہیں دیکھائے۔ ایمان کا بیج اپنے دل کی کھیتی میں ڈالیں، آرزو اور جستجو، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے پانی سے اس کی آبیاری کریں، تو وہ تناور درخت نمودار ہو گا جس کے پھل ساری انسانیت سدا کھاتی وہے گی۔[20]

خرم مرادؒ نے سب سے پہلے تو احیائے اسلام کے لیے جس چیز کو اہم ترین قرار دیتے ہیں وہ قرآن کی دعوت ہے اور اس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

اس قرآن کو گھر میں صرف طوطے کی طرح پڑھایا ہی نہیں گیا بلکہ والدہ نے اس کو سمجھنے کے لیے باقاعدہ عربی کے اساتذہ کا اہتمام کیا۔ عربی سیکھنے اور عربی کو سمجھنے کے لیے شوق پیدا کیا اور اس وجہ سے خرم مرادؒ کی نہ صرف

---

[19]۔ خرم مرادؒ، انقلاب کا راستہ، منشورات لاہور،،، 2008، ص:19

[20]۔ انقلاب کا راستہ، ص:07

عربی اچھی ہوئی بلکہ اردو اور فارسی میں بھی اچھی پوزیشن آتی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی کو قرآن فہمی اور قرآن فہمی کے پھیلاؤ میں گزار دی۔ اپنی کتاب قرآن کا راستہ میں لکھتے ہیں کہ: "یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک انسان جو علم میں کمزور ہو اور روحانی طور پر خام ہو قرآن کی عظمت و رحمت اور جمال و دانش کی طرف رہنمائی کرے؟ بہر حال، جس چیز نے میرے اندر اس کی جرات پیدا کی وہ بہت سے دوستوں کی طرف سے دلائی جانے والی بار بار کی توجہ تھی، جو سمجھتے تھے کہ انہوں نے میرے ساتھ مل جل کر جو کچھ پایا ہے، وہ دوسروں تک پہنچنا چاہیے۔ لیکن حقیقی معنوں میں طاقت اور حوصلہ اس سے پیدا ہوا کہ: "جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں یقینی طور پر ہم انہیں اپنے راستوں پر چلائیں گے "[21]

اندازہ لگایئے قرآن کو سمجھنے اور اس کو سمجھانے کے لیے خرم مرادؒ نے کتنا وقت لگایا اور پھر اس کے لیے صرف عربی پر دسترس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ علما کی تفاسیر کو ماخذ بنایا۔ قرآن کو وہ اس حد تک اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے تھے کہ وہ اس کو دنیا کے ہر مسئلے کا حل سمجھتے تھے۔

خرم مرادؒ نے اپنی تمام کی تمام کتابوں اور دروس میں جس بات کا اظہار کیا وہ قرآن سے تعلق کا تھا۔ وہ قرآن کو امت کے عروج کا حل سمجھتے تھے۔ اپنی کتب کے اندر انہوں نے امت مسلمہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں نے جب بھی اس کتاب سے رشتہ جوڑا، وہ دنیا میں معزز، سربلند اور خوش حال ہوئے۔ اور جب انھوں نے اس کتاب سے رشتہ توڑا تو وہ دنیا میں ذلیل، پسماندہ اور مفلوک الحال ہوئے۔ دور اول کو لیجیے یا اس کے بعد آنے والے ادوار کو دیکھیے، تاریخ اپنے آپ کو اسی طرح دہراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا کی حکومت عربوں کے ہاتھ میں آئے یا ترکوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اقتدار عباسیوں کے ہاتھ میں آئے یا عثمانیوں کے پاس رہے، سلجوق تخت پر بیٹھیں یا مغل حکومت کریں، حق تعالیٰ کی سنت میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ اس لیے کہ جب قرآن مجید نازل ہوا، اقتدار اور حکومت کے آنے جانے کا یہ عمل تو اس وقت بھی برابر جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سائے میں کوئی امت مبعوث کی تو اس لیے کہ وہ اس خالق و مالک کے

---

[21]۔ خرم مرادؒ، قرآن کا راستہ، منشورات، منصورہ ملتان روڈ لاہور، جولائی 2012، ص:13

پیغام کی علم بردار اور ہدایت کی حامل بنے۔ اس کی امانت دار بنے اور اس کا بوجھ اٹھائے۔ خود اس پر عمل کرے اور دنیا کے سامنے گواہ بن کر کھڑی ہو۔"[22]

خرم مرادؒ کے چھوٹے بھائی مسلم سجادان کی کتاب "قرآنی عربی" کے عرض ناشر میں لکھتے ہیں:

"محترم خرم مرادؒ کے فکر و عمل کا مرکز و محور قرآن پاک تھا۔ وہ ہر فرد کے اور امت کے تمام مسائل کا حل قرآن پاک پر عمل میں دیکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی، جہاں بھی وہ رہے، لوگوں بالخصوص نوجونوں میں قرآن سے زندہ تعلق پیدا کرنے اور اس کے حقیقی روح کے مطابق دین کی خدمت کے لیے زندگیاں صرف کرنے کی تعلیم دینے میں گزری۔"[23]

وہ قرآن پاک کا پہلا حق یہ سمجھتے تھے کہ ہم خود اس کو سمجھیں اور دوسرا حق یہ کہ لوگوں کے سامنے اسے بیان کریں۔ ان کے مطابق اللہ کی کتاب لوگوں کو راستہ دکھانے کے لیے آئی ہے۔ لپیٹ کر جزدان میں سجانے کے لیے نہیں۔ یا کبھی کبھار اس کی تلاوت کرلی جائے۔

خرم مراد ایک ایسی تاریخ ساز شخصیت تھے، جنہوں نے شروع سے ہی قرآن مجید کو سمجھ کر اس کی دعوت کو قبول کر کے اپنی ساری زندگی قرآن کا پیغام اور رب کائنات کا پیغام عام کرنے کے لئے وقف کر دی۔ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہونے کے باوجود انہوں نے دین حق کی دعوت پر مبنی سینکڑوں کتابیں قرآن کے موضوع پر تحریر کیں۔ "قرآنی عربی" کے پیش لفظ میں ان کے شریک تدریس حافظ عبد اللہ لکھتے ہیں:

"محترم خرم مرادؒ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے۔ لیکن قرآن کریم کے نہ صرف مستقل طالب علم بلکہ داعی تھے۔ اوائل میں آپ کی دعوت و تعلیم قرآن کے مخاطب یونی ورسٹی اور کالج کے نوجوان طلبہ تھے، لیکن رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کی زندگی کا مقصد عامتہ الناس کو قرآن کے حقیقی پیغام سے روشناس کرا کے اس کے تقاضے پورا کرنے کے لیے تیار کرنا تھا۔ ڈھاکہ، مشرقی پاکستان کے قیام (1960-1971) کے دوران بنگالی مسلمانوں کو آپ نے قرآن کا درس دیا، سقوط ڈھاکہ کے بعد بھارت میں ایام اسیری (1972-1974) کے دوران انڈین کیمپوں مین جنگی قیدیوں کو قرآن سکھایا اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی۔ پھر قیام یورپ کے زمانے میں یورپ میں مقیم مسلمان

---

[22]۔ قرآن کا پیغام، خرم مراد، منشورات، منصورہ ملتان روڈ لاہور، جنوری 1997، ص:6

[23]۔ خرم مراد، قرآنی عربی، 15 سبق، منشورات منصورہ ملتان روڈ لاہور، اپریل 2019، ص:7

اور یورپی نژاد نو مسلم آپ کی دعوت و تبلیغ قرآن سے مستفید ہوئے اور قرآن سے اپنا تعلق جوڑنے کے لیے رہنمائی سے فائدہ اٹھایا۔"[24]

خرم مرادؒ کے مطابق قرآن سے ترک تعلق مطلب ہے کہ اس کو نہ پڑھنا، نہ سمجھنا، نہ اس کے مطابق زندگی گزارنا۔ اس کو ایک قصہ پارینہ سمجھنا جس کا اب کوئی کام نہیں رہا ہے۔ اس لیے رسول اللہؐ نے قرآن کی پیروی پر زور دیا۔

خرم مرادؒ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے لیے قرآن سیکھنے کا مطلب، اس کو پڑھنا، اس پر غور و فکر کرنا اور اس پر عمل کرنا ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ جو لوگ قرآن پڑھنے میں مشغول تھے، بتاتے ہیں کہ عثمانؓ ابن عفان اور عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے لوگ جب ایک دفعہ رسولؐ سے دس آیات سیکھ لیتے تھے تو جب تک ان آیات میں علم اور عمل کے حوالے سے جو کچھ ہوتا تھا، اسے واقعی نہیں سیکھ لیتے تھے، آگے نہیں بڑھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے قرآن اور علم ایک ساتھ سیکھا ہے۔ اس طرح بعض وقت وہ صرف ایک سورت سیکھنے میں کئی برس صرف کرتے تھے

اس طرح انہوں نے انگلش میں ایک ایک کتاب The Quranic Treasures کے نام سے لکھی اس میں انہوں نے لکھا کہ قرآنی تعلیمات کا موضوع انسان ہے، قرآن مجید کا پیغام انسانیت اور امن سے وابستہ ہیں۔ خرم مرادؒ کے مطابق کہ قرآن مجید واحد کتاب ہے جو دعویٰ کرتی ہے وہ اللہ کی طرف سے محفوظ ترین کلام ہے، اور آج بھی جب خدا کو انسانی زندگی کے لئے غیر متعلق قرار دیا گیا ہے تو یہ کتاب انسان کو متاثر کرتی ہے، اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔

ان کے مطابق یہ بھاری ذمہ داری انسان کو دی گئی کہ وہ قرآن کے بوجھ کو سنبھالے اس فریضے کے غیر معمولی ہونے کی حد تک سخت و شدید ہونے پر پوری نوعِ بشر کو ذمہ داری دی ہے صاف طور سے بتادے کہ:

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّه كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾[25]

---

[24]۔ لمحات، ص:177

25۔ سورۃ احزاب، 72

"ہم نے امانت آسمانوں کے سامنے، زمین کے سامنے اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، لیکن انہوں نے اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، پر انسان نے اس کی ذمہ داری کو اٹھالیا۔"

خرم مرادؒ کے مطابق قرآن مقصد کی تکمیل کا اہم ذریعہ ہے۔ دنیا میں زندگی کسی بھی مقصد، نظریے، فکر یا نصب العین کے بغیر بسر کرنا ممکن نہیں۔ ان لوگوں کی زندگی بے کار ہے جو کسی مقصد یا نصب العین کے بنا اپنی زندگی کو جیتے ہیں اور دنیا کی عیش و عشرت ہی کو ہی اپنا متاع زندگی اور مقصدِ حیات گردانتے ہیں۔ پس اسلام دنیا کے اندر واحد مذہب اور دین ہے جو اپنے ماننے والوں کی زندگی کو ایک مقصد و نصب العین مہیا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے حقیقی رب کو پہچانے، اس کی نازل کردہ تعلیمات ہر عمل پیرا ہوں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور اس دعوت کو پوری دنیا میں پھیلائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[26]

"تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ یہی ہیں جو کہ فلاح پانے والے ہیں۔"

اس آیت کریمہ کی روشنی میں پوری امت کی اصلاح و فلاح اور دوا و معالجہ کیلئے یہی جماعت ذمہ دار ٹھہرائی گئی، اور اسی آیت کے اندر اس کے تین فرائض کا بھی عندیہ دے دیا گیا ہے کہ پوری امت بلکہ ساری کی ساری انسانیت کو خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کے کلچر کو فروغ دے

خرم مرادؒ نے اپنے کتاب "تحریک اسلامی" کے اندر دعوت کا خاص انداز، اس کا طریقہ کار (Method) اور منصوبہ عمل (Road Map) بیان کیا۔

---

[26]۔ آل عمران، 104

الگ تھلگ رہنے کی، صرف اپنے محدود دائرہ میں ربط وضبط رکھنے کی روش ترک کر دیجیے۔ عوام کے ساتھ کھلے دل سے میل جول رکھیے۔ اور ان کے ساتھ گھل مل جایئے۔ عوام کے ساتھ گھلے ملے بغیر ان میں کوئی اصلاحی تحریک برپا نہیں ہو سکتی۔

رسمی تعلیم و تدریس اور محفلوں میں دروس و خطاب کے ذریعے دعوت و تذکیر کی افادیت محدود ہے۔ لیکن اس کے برعکس معمول کی صحبتوں، ملاقاتوں، مجلسوں میں، معمولی بات چیت اور گفتگوؤں کے ذریعے، بغیر موضوع اور تقریر کے بتدریج و قتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی خوراکوں کے ذریعے، جو دعوت و تذکیر ہو سکتی ہے، وہ کہیں زیادہ مؤثر اور مفید ہوتی ہے۔

اپنے ایک انٹرویو میں وہ دعوت کے طریق کار پر بات کرتے ہوئے دعوت کے سٹینڈرڈ ذرائع پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"اولاً انفرادی روابط اور آگے بڑھ کر ملنا گویا" مچھلیوں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنا" ثانیاان کو اس ماحول سے روشناس کرانا جس میں وہ محبت کی چاشنی، ندرت کا ذائقہ، یگانگت، کی کشش اور روحانیت کا جذب پائیں۔ جہاں ان کی شخصیت تعلقات کے ایسے نظام کا جزو بن جائے جو اس کو نکھار دے، سنوار دے، ابھار دے اور خود اعتمادی کی دولت دے۔ ثانیا ایسا چلتا پھرتا تربیتی نظام جس میں پہنچتے ہی وہ دعوت کو سمجھنا اور اس میں جذب انجذاب کے عمل سے گزرنا شروع کر دیں"[27]

خرم مرادؒ دعوت و توسیع اور تربیت و استحکام کے درمیان توازن کے قائل تھے۔ دعوت کی توسیع کے لیے وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ تربیت افراد کے ذریعے توسیع دعوت ممکن ہے لیکن دعوت کا کام تربیت کے لیے رکنا نہیں چاہیے۔ خرم صاحب کہتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ مسئلہ اس وقت زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب توسیع دعوت کا بہاؤ رکنے لگے۔ پانی ٹھہرنے لگے، گدلا ہونے لگے تو ہمیں بجائے اس کے کہ توسیع دعوت کے کام کو تیز کریں۔ اس کو مزید روک کر تربیت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ہی ہاتھ سے جاتے

---

[27]۔ جب وہ ناظم اعلیٰ تھے۔ متقین الرحمٰن، سید، منصور خالد، سلیم۔ ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور، اپریل 1992، ص 51

ہیں۔ ہماری تو ساری تحریک اس نوعیت کی ہے کہ ہمیں مسلسل ہمہ تن دعوت میں لگا رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ تربیت کے سارے ممکنہ ذرائع اختیار کرنے چاہییں"[28]

بات چیت، تعلیم اور تقریر سے کہیں زیادہ مؤثر 'ماحول اور صحبت' ہوتی ہے۔ ماحول اور صحبت کے بدلنے سے بہت کچھ تبدیل ہو جاتا ہے، لیکن اگر ان دونوں میں کوئی بدلاؤ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو بدلاؤ بھی ممکن ہو سکتا۔

اپنا گھر آپ کی اپنی سلطنت ہوتی ہے، جہاں آپ کا مکمل اختیار ہوتا ہے۔ گھر کی اصلاح، معاشرے کی اصلاح کا پہلا سرچشمہ ہے۔ اور موجودہ دور میں معاشرے کے اندر جتنا بھی فساد بڑھ رہا ہے اس کا منبع بھی یہی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اپنے گھر کے ماحول کی فکر کیجیے۔ اہلِ خانہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے لیے ماحول فراہم کیجیے۔ گھر کو پاکیزہ رکھیے، نیکی کی فضا کو گھر کے قائم کیجیے۔ گھر کو قرآن اور دین و اخلاق کی تعلیمات کا مرکز بنائیے۔

ہمارے معاشرے میں ابھی تک وسیع خاندان کا وجود موجود ہے۔ دور دور کے اقرباء اور رشتہ داروں سے تعلقات موجود ہوتے ہیں۔ اور تعلقات کا لحاظ رکھنا ہماری روایات میں شامل ہے۔ اس لیے گھر کے بعد آپ اصلاح و تربیت کے لیے خاندان کو اپنا مرکز بنائیے۔

محلے میں آپ کا گھر ہوتا ہے، اور محلہ والوں کے ساتھ آپ کا پڑوس ہے۔ اپنے گھر کے بعد یہ محلہ فطری طور پر موزوں ترین مقام ہے جسے آپ کو اپنی اصلاحی کوششوں کا مرکز و محور بنانا چاہیے۔ ان پڑوسیوں کا اکرام، ان سے خوش گوار روابط، ان کو ہدیہ بھیجنا، دعوت کرنا، ان کی جائز ضروریات کو پورا کرنا، ان کی ایذاء رسانی گریز کرنا بلکہ ان کی راحت کا انتظام کرنا یہ سب وہ فرائض ہیں جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے آپ پر عائد کیے ہیں۔

اجتماعی اصلاح بروئے کار لانے میں مسجد کا رول بہت محدود ہے۔ وہاں جانے والے لوگ بھی کم تعداد میں ہیں۔ اور عام زندگی میں مسجد کا کردار بھی بس برائے نام ہی ہے۔ ملا کے خلاف مہم، ملا کی کردار کشی اور فرقہ واریت نے مسجد کی توقیر اور احترام میں مزید کمی کر دی ہے۔ لیکن یہ مسجد ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں ملی زندگی کا احیا کا مرکز بن سکتی ہے۔ اسی لیے قرداد ماچی گوٹھ کے اصلاحی پروگرام میں مسجد کی خدمت اور مسجد کے ساتھ تعلق کو خصوصی

---

[28]۔ جب وہ ناظم اعلیٰ تھے، ص50

مقام دیا گیا ہے۔ مسجد کو ذریعے بنا کر معاشرے میں وسیع پیمانے پر اصلاح کا کام کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر دعوت و تذکیر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے کے لوگ نماز مسجد میں پڑھے تا کہ عملی طور پر نتائج بر آمد ہو سکیں۔

اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ خود باقاعدگی طور پر مسجد آئے اور نماز باجماعت ادا کرے اور مسجد میں نماز سے فراغت کے بعد وہاں موجود افراد کے ساتھ اپنا ناتا جوڑے، اپنے تعلق کو وسیع کریں۔ ان کو دعوت دیں۔ اسی طریقے سے دعوت کے کام میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔

دعوت کا کام صرف زبانی یا دعوت و تذکیر کے ذریعے ہی ممکن نہیں ہے، بلکہ عملاً مستحق افراد کی مدد اور ان کی خدمت کے لیے جو کچھ بھی کرنا وہ کیجیے تا کہ وہ مزید آپ کے قریب آجائیں۔

معاشرے کے اندر وسیع پیمانے پر اصلاح کی لہر اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آپ دعوت و تذکیر اور وعظ و تلقین اور ربط و ضبط کیساری مساعی کا تعلق اعلائے کلمۃ اللہ، قیام قسط اور ملک میں خلافت راشدہ جیسی حکومت کے منہاج پر نظام صالح کے قیام کے لیے جہاد اور شوق شہادت کے ساتھ مربوط نہ کریں، یہاں تک یہی اس کا مرکز اور روح ہے۔[29]

خرم مرادؒ نے نبوی طریقہ کار میں سے ہی ہر طریقہ اپنایا اور اس کو آج کے دور میں استعمال کرنے کی کوشش کی وہ منہج نبوی ﷺ کو آج بھی دعوت کے لیے موثر سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ " آج ملت مسلمہ کی زندگی کا احیاء اور تحریک اسلامی کے لیے فتح، میری رائے میں، اُسی دعوت کو اسی انداز میں لے کر کھڑے ہو جانے پر منحصر ہے جس کی جھلک ہمیں اسوہ حسنہ کی ان چند تصویروں میں ملتی ہے۔ دعوت کے لیے لگن، جواب دہی کا احساس، مخلوق خدا سے محبت، سادہ زندگی،، بندگی رب اور قسط و انصاف کا پیغام۔ ان چیزوں میں وہ سب کچھ پوشیدہ ہے جس کی ہم کو تمنا ہے۔"[30]

خرم مرادؒ نے وہی اسلوب دعوت اپنایا جو حضور نبی کریم ﷺ کا تھا ویسا ہی دعوت کا انداز، ویسا ہی تنظیم کا انداز، ویسا ہی تقریر کا انداز، ویسا ہی محبت کا انداز، ویسا ہی تربیت کا نظام خرم مرادؒ کے سامنے تھا۔ معلمین کے تقرر

---

[29]۔ تحریک اسلامی، ص:75

[30]۔ خرم مراد، چند تصویریں سیرت کے البم سے، البدر پبلی کیشنز، لاہور جون 1989- ص:6

سے لے کر امراء کے نظام تک ان کا آئیڈیل وہی نظام تھا۔ کہتے ہیں کہ "میں نے جب رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی ساری تصویریں کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھا، اس ترتیب سے رکھا جیسے اُن کے ساتھیوں نے رکھا، ان کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھتا چلا گیا، تو سب سے زیادہ واضح اور متحرک تصویر ایک ہی نظر آئی--------- آپ ﷺ رسول تھے، اپنے رب کے بھیجے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے پاس ایک پیغام تھا، آپ کے پاس ایک دعوت تھی اس دعوت اور پیغام کو پہنچانا ہی آپ ﷺ کی زندگی تھی۔ آپ ﷺ کی زندگی دعوت کی تصویر ہے ہر لمحہ یہی دھن، اسی کی فکر، اسی کا احساس ہے اسی کے لیے شب و روز وقف ہیں اسی کے لیے تگ و دو ہے، اسی کے لیے میل جول ہے، اسی کے لیے جدوجہد ہے"[31]

کسی بھی ملک و قوم کی ترقی میں نوجوان طبقہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے خرم مرادؒ بھی امت مسلمہ کے نوجوانوں کو اپنا ایک اہم اثاثہ اور عظیم سرمایہ قرار دیتے تھے۔ وہ اس بات پر صرف قائل ہی نہیں تھے، بلکہ عملاً کر کے بھی دکھایا کہ معاشرے کا ہر نوجوان وہ ایک قیمتی ہیرا ہے اور اس سے کام لیا جائے۔ خرم مرادؒ نے بہت سے ایسے نوجوانوں کی زندگیوں میں تبدیلی لانے کے اسباب پیدا کیے کہ جن کی بدولت وہ نوجوان اقبالؒ کے حقیقی شاہین بن کر ابھرے۔

"نوجوانوں کو ان کے مقصدِ حیات کا احساس دلانا اور انھیں عملاً حرکت میں لے کر آنا خرم بھائی کا اہم ترین ہدف تھا۔ وہ ہر سطح اور ہر طرح کے نوجوانوں کی صلاحیتوں سے، جس حد تک بھی وہ کام دے سکے، کام لینے کے قائل اور محرک تھے۔ خرم مرادؒ کے نقطہ نظر کے مطابق ہر نوجوان باصلاحیت اور کارآمد ہے، لیکن اسے صرف ماحول و معاشرہ نے وقتی طور پر بگاڑ کر رکھ دیا۔ اگر اسے مجرم کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے بلکہ اس سے مخلصانہ طور پر اس سے رابطہ کیا جائے اور وقتی طور پر اس کی شخصی خرابیوں کو برداشت کرتے ہوئے اس کی ذات پر اس کی صفات کے مطابق کام کیا جائے اور مرض سے نفرت اور مریض سے محبت کے حکیمانہ طرزِ عمل کو اپنایا جائے تو ان شاہین بچوں کو بال و پر مل سکتے ہیں اور اسی سے ان بچوں کے اندر ایک عقابی روح پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس کے پیش نظر انھوں نے مسلم یوتھ فورس (MYF) پر خصوصی توجہ دی۔ اور اس کی ایک خاص حکمت عملی یہ اپنائی کہ نوجوانوں کی تنظیم کا سربراہ بھی

---

[31]۔ چند تصویریں سیرت کے البم سے، ص:16

نوجوانوں میں سے ہی کسی نوجوان کو چنُا(Select) کیا جائے۔ چنانچہ سید احسان اللہ وقاص صاحب اور افتخار احمد صاحب اس کے سربراہ رہے۔ مسلم یوتھ فورس(MYF) کے تحت نوجوانوں کے اندر بے شمار پروگرامات کا انعقاد کیا جاتا تھا، جن میں سے چند ایک نمایاں تھے۔ پکنکس ٹورز، شبِ بیداریاں، یوتھ کلب، اور کرکٹ ٹورنامنٹ وغیرہ تھے۔ اور ہدف یہی رہا کہ یہاں سے نوجوان کو تیار کرکے جماعت میں شمولیت کے لیے بھیجے جائیں اور اس طرح یہ تنظیم چراغ رہ ہو، منزل نہ ہو۔ وقتی پڑاؤ اور تنظیمی پابندیوں ہونے کی وجہ سے بچنے کے لیے اسے مستقل ٹھکانہ نہ بنایا جا سکا۔"[32]

خرم مرادؒ نے اپنے دور نظامت (جب وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ تھے) میں نوجوانوں کے لیے نظام تربیت خاص طور پر فعال کیا۔ اور ان کے دور نظامت سے آج بھی یہ جھلک عیاں ہوتی ہے کہ آج جمعیت میں جتنا بھی تربیتی نظام رائج ہے وہ تقریباً سب ہی انھی کے دور میں شروع ہوا۔ ان میں سے چند چیزیں قابلِ ذکر ہیں:

خرم مرادؒ نے اپنے دورِ نظامتِ اعلیٰ میں حلقہ جاتی نظام کی بنیاد ڈالی اور اس نظام کو پوری طرح سے مستحکم کیا۔ گھروں میں انفرادی و اجتماعی، ملاقاتیں، طویل نشستیں، مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی تلقین، نماز کے بعد خاص تربیتی سرکل، اور دروس قرآن و حدیث کے سلسلے، یہ سب حلقہ جاتی سطح میں تربیت کے ضمن میں کیے جاتے تھے۔ ان کی سوچ یہ تھی کہ تربیت کے لحاظ سے جتنا حلقہ مضبوط ہو گا تو اسی طرح مقام اور مرکز کی سطح تک یہ نظام بہتر ہوتا جائے گا۔

تربیتی نظام کے سلسلے میں ایک اہم ذریعے جو انھوں نے شروع کیا وہ "نظامِ الاسرہ" کا ہے۔ لیکن آج کل یہ یہ سرگرمی بہت کام نظر آتی ہے۔ خرم صاحب نے اس کے ذریعے گروپ بندی کرکے کارکنوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔

اسی طرح خرم مرادؒ نے ہفتہ وار اور ماہانہ رپورٹس کے ذریعے سے بھی کارکنوں کی تربیتی سطح کو جاننے کی کوشش بھی کی۔

---

[32]۔ خرم مرادؒ: حیات و خدمات، ص:85

طلبہ میں مطالعہ کا شوق اور ان کی ذہنی رغبت، اس کا اہتمام، ان کی ذہنی اور فکری نشوونما اور ارتقا کے لیے انھوں نے "حلقہ مطالعہ (Study Cirle)" کا آغاز کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ باقاعدہ طور پر ایک نصاب مرتب بھی کیا جو کتاب ور کے بجائے مختلف موضوعات پر مبنی تھا۔ موضوعات کا چناؤ قرآن و حدیث اور دیگر اسلامی تحریک کے لٹریچر کیا جاتا اور مواد بھی انھیں ذرائع (Sources) سے حاصل کیا جاتا تھا۔ یہ سارا کام انھیں نے بغیر کسی کی رہنمائی کے خود ہی کیا۔

انھوں نے اپنے دورِ نظامت اعلیٰ میں پہلی بار باقاعدہ طور پر ایک روزہ اور دو روزہ تربیت گاہوں کی بنیاد ڈالی۔ اس سے پہلے جو بھی تربیت گاہیں منعقد کی جاتی تھی وہ طویل وقت پر مشتمل ہوتی تھی۔

انھوں نے تربیت گاہوں میں قرآن و حدیث، سیرت، اسلام، جدید نظریات، تقریری مقابلے، کھیل کود، تفریح اور دیگر پروگرامات کا خاص اہتمام کیا۔

شبِ بیداریاں کا باقاعدہ سے آغاز بھی خرم مراد صاحب کے ہی دور نظامت میں ہوا۔ انھوں نے اس کا بنیادی خیال اور نقطہ نظر مصر کی اسلامی تحریک اخوان المسلمون سے کاپی کیا تھا۔ لیکن اس کا طریقہ کار، ایجنڈا اور نصاب اپنے طور پر مرتب کیا۔

خرم مرادؒ صاحب نے اپنے دورِ نظامت میں اجتماعی کھانے، تقریری و تحریری مقابلے اور اس طرح کے اور کئی پروگرمات کا بھی باقاعدہ آغاز کیا اور آج بھی یہ نظام قائم و دائم ہے۔

وہ ایک ایسا فریم ورک یعنی کہ ایک ڈھانچہ پیش کرتے ہیں جو ہر قسم کے اندرونی خرابیوں کے آگے بند باندھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خرم مرادؒ نے قرآن و حدیث کی دعوت کر پھیلانا اپنی زندگی کا سب سے بڑا مشن بنالیا تھا اور یہی ان کا مقصد حیات تھا۔ ان کا زیادہ تر وقت قرآن کے ساتھ گزرا کیونکہ ان کو قرآن سے بے پناہ محبت تھی۔ اس لیے انہوں نے زیادہ تر پروگرامات کسی اور موضوع پر نہیں کیے بلکہ دروس قرآن پر ہی کیے۔ ان کا مشن تھا کہ وہ عوام کا تعلق قرآن کے ساتھ تعلق مضبوط بنادیں اور انہیں اس طرف قائل کریں کہ یہی ان کا دستور زندگی ہے۔ خرم صاحب کی زندگی کے چند پہلوؤں یہ تھے جو انہوں نے اپنی پوری زندگی اس کام میں صرف کر دی تھی۔

خرم مرادؒ زمانہ طالب علمی میں جب اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے تو انہوں نے اپنی ذمہ داری بہت حسن اسلوبی سے نبھائی۔ جمعیت کے سسٹم میں نئی نئی جہات اور منصوبہ بندیوں سے اس کے کام کو بڑھانے کی کوششیں کیں۔ یہی جمعیت ہی تھی جسے خرم مرادؒ کو کندن بنایا تو خرم مرادؒ نے پورے پورے انصاف سے کام لیتے ہوئے ایک نوزائیدہ طلباء تنظیم کے خدوخال سنوار کر اسے طلباء کی مقبول ترین جماعت بنا دیا۔ خرم مرادؒ نے جمعیت کے تربیتی ڈھانچے کو فکر آخرت کی بنیاد پر مضبوط بنایا۔ پروفیسر خورشید احمد بیان کرتے ہیں:

"جمعیت نے خرم کو بنایا اور جمعیت جو کچھ ہے اس کے بنانے میں خرم کا بڑا نمایاں حصہ تھا۔ کراچی جمعیت کا مزاج اور اس کی ہیئت اجتماعی کو بنانے میں جن لوگوں کا مخصوص حصہ ہے، ان میں خرم بھائی کا ایک نمایاں مقام ہے۔"[33]

خرم مراد نے کسی بھی معاشرے اور تحریک میں اجتماعیت کی جو اہمیت ہے، اسے اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسوٹی اجتماعی انقلاب بغیر کسی منظم اور طاقت ور جماعت کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی، اور ایک منظم اور طاقت ور جماعت اس وقت وجود میں آتی ہے جب اس کے افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں تب ہی اس کے لیے اتنے منظم طریقے پر جدوجہد کی جاسکتی ہے، جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔"[34]

جماعتِ اسلامی کی رکنیت اختیار کرتے ہی کچھ عرصے بعد آپ کو جماعت اسلامی ڈھاکہ کے امیر جماعت مقرر کر دیا گیا۔

انہوں نے وہاں کے امیر منتخب ہوتے ہی جماعتِ اسلامی ڈھاکہ کا دفتر پرانے ڈھاکہ سے نئے ڈھاکہ میں قدرے کشادہ جگہ میں منتقل کیا۔[35] ڈھاکہ کے امیر بنتے ہی انہوں نے اپنی روش کو اختیار کرتے ہوئے وہی دعوتی و تربیتی نظام پر توجہ (Focus) دی تاکہ رفقاء جماعت کی تربیت پر اولین ترجیح دی جائے۔ گشتی مراسلوں کے ذریعے انہیں قرآنی سورتوں اور آیات کی طرف متوجہ کیا جس سے فریضہ صلوۃ کی ادائیگی پر توجہ میں مدد ملتی تھی۔ فریضہ

---

[33]۔ خرم مرادؒ: حیات و خدمات، ص:55

[34]۔ خرم مراد، کارکنوں کے باہمی تعلقات، منشورات، لاہور 1998ء، ص:

[35]۔ ایضاً، ص:22

صلوت کی ادائیگی کے لیے قرآنی سورتوں اور آیات کی متوجہ کیا۔ اذکار مسنونہ کے لیے مسنون دعاؤں کا مجموعہ تیار کیا۔[36]

بنگالی زبان میں دینی کتب کی تیاری اور تراجم پر خصوصی توجہ دی اس ذمہ داری کے دوران جماعت پر پابندی لگنے پر آپ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی گئے۔ لیکن سزا پوری کرنے کے بعد واپس آکر دوبارہ اسی ذمہ داری پر کام کیا۔ اسی دوران ان کی ایک بہت بڑی کامیابی اور کارنامہ بنگالی زبان میں روزانہ "سنگرام" ہے۔[37]

دعوت کے کام کو مؤثر بنانے کے لیے انہوں نے بہت ہی کم عرصے میں بنگلہ زبان بھی سیکھ لی تھی۔ اسی دوران البدر اور الشمس کی تشکیل میں حصہ لیا۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد آپ گرفتار بھی ہوگئے۔ خرم مرادؒ کی انہی خدمات کی روشنی میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی ڈھاکہ محترم علی اکبر لکھتے ہیں کہ:

"خرم مرادؒ صاحب خاموش طبیعیت کے انسان تھے۔ مفکر، مدبر، منصوبہ اور جماعت کے ایک ممتاز قائد تھے۔ قرآن وحدیث کا مطالعہ گہرا تھا۔ اللہ والے تھے۔ اور اللہ کے بندوں سے محبت کرتے تھے۔ بانی تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ انہیں بہت ہی عزیز رکھا کرتے تھے۔"[38]

خرم مرادؒ کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ بحیثیت امیر جماعت اسلامی ڈھاکہ انہوں نے دینی مدارس کے طلباء کی تنظیم "جمعیت طلبہ عربیہ" کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اس تنظیم کے نظم ونسق کو ترتیب دینے میں بھی کافی زیادہ اپنا حصہ ملایا۔ دینی مدارس کی طلباء کی قوت میں اضافہ کرنے اور ان کو مثبت کام میں لگانے کے لیے عربی مدارس میں اس تنظیم کو فعال کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک ہونہار رکن مطیع الرحمان نظامی شہیدؒ کو نگران نامزد کیا اور تنظیمی ومالی معاملات اپنے ہاتھ میں رکھے۔ خرم مرادؒ نے اس کام میں تیزی لانے کے لیے روزانہ کی بنیاد پر نظامی صاحب سے ملاقات کی اور مشاورت کرتے رہے۔

---

[36]۔ خرم مرادؒ: حیات وخدمات، ص:76

[37]۔ ایضاً، ص:77

[38]۔ ایضاً، ص:83

اور اسی عرصہ کے دوران انہوں نے اسلامک یونیورسٹی کے قیام کے لیے حکومت سے بھرپور اپیل بھی کی تھی۔

خرم مرادؒ نومبر 1987ء میں امیر جماعت اسلامی ضلع لاہور منتخب ہوئے۔ لاہور کو انہوں نے کام کے لیے اس لیے چنا کیونکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ سقوط ڈھاکہ کے بعد ان کے لیے سب سے موذوں جو جگہ ہو سکتی وہ "شہر لاہور" ہی ہو سکتی جو کہ اسلام کی دعوت میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے پرانے تجربات کی روشنی میں یہاں کے نظم و نسق کو بھی تربیتی بنیادوں پر مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جولائی 1991ء آپ ترجمان القرآن کے مدیر مقرر ہوئے، گویا سید مودودیؒ کی علمی و فکری وراثت کے امین مقرر ہوئے۔ آپ نے اس کا حق ادا کیا اور ترجمان القرآن کے علمی و فکری معیار میں بہتری اور سرکولیشن میں اضافے کے لیے انتھک محنت کی۔ آپ معیاری اور ارزاں تحریکی لٹریچر کی اشاعت و ترسیل کے لیے کوشاں رہے۔

خرم مرادؒ اپنی پوری زندگی اس شعبہ کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم و تحقیق کے میدان میں صرف کر دیا تھا۔

خرم مرادؒ نے اپنی ساری زندگی دعوت دین اور تحریکی اسلامی کی خدمات میں گزاری، حالانکہ خرم صاحب پیشے کے لحاظ ایک سول انجینئر تھے۔ لیکن ان کی ساری زندگی تعمیر کردار اور نظام تربیت کے ڈھانچے کو مضبوط بنانے میں گزری۔ تعمیر ذہن، تعمیر جماعت، تعمیر اخلاق اور اسی طرح کی دیگر سرگرمیوں کے ساتھ منسلک رہنا ان کی زندگی کا محور تھا۔

برطانیہ میں قیام کے دوران انہوں نے تندہی اور جانفشانی کے ساتھ دیار مغرب میں اسلام کی ترویج و اشاعت اور اقامتِ دین میں ہی منہمک رہے۔ کلمہ حق کی سربلندی، اسلام کی نصرت اور دفاع کے ذوق و شوق سے سرشار جذبے کے ساتھ ساتھ ان پر یہ بنیادی حقیقت بھی روشن تھی کہ مغرب میں اسلام کی مؤثر تعارف لازمی طور پر شرط انگریزی زبان پر قدرت ہے۔ ان کی تصانیف کی اثر آفرینی کا ایک سبب زبان میں ان کی غیر معمولی قدرت بھی تھی۔

خرم صاحبؒ کا سب سے اہم کارنامہ جو تصور کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے مختلف ممالک بالخصوص یورپ میں رہتے ہوئے دینی و تحریکی لٹریچر کو انگریزی زبان میں منتقل کیا۔ اور جس قدر احسن اور خوبصورت انداز میں انہوں نے یہ کام کیا وہ رہتی دنیا تک ان کے لیے توشہ آخرت اور کامیابی کی ضمانت تصور کیا جائے گا۔

خرم صاحب نے صرف تراجم پر ہی کام کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے بچوں کے لیے بالخصوص بے بہا لٹریچر بھی تیار کروایا، وہ یقیناً آنے والی نسلوں کے لیے ایک بہترین تحفہ تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس لٹریچر میں بہت سے کتابچوں کے ساتھ ساتھ آڈیو و ویڈیو فلموں کا بھی اہتمام کیا۔

پروفیسر خورشید کا جاری کردہ رسالہ "مسلم ورلڈ بک ریویو" کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچانے کا اعزاز بھی خرم صاحب کے پاس ہی ہے۔ اور آج بھی وہ اسلامی علوم اور اسلامی دعوتی لٹریچر کی توسیع و اشاعت کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

عیسائیوں کے ساتھ انہیں بات چیت کا موقع میسر آیا تو انہوں نے دلائل سے بات کی۔ یہ واقعہ ان دنوں کا ہے جب خرم صاحب اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بیرون ملک مقیم تھے۔ ایک دفعہ لوتھین سٹوڈنٹ فیڈریشن کی جانب سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا اور انہوں نے چیلنج کیا کہ ہم آپ لوگوں سے اسلام کے حوالے سے بات چیت کرنا چاہ رہے ہیں۔ خرم صاحب کہتے ہیں کہ مذہب یا دین کے حوالے سے ط بات چیت کرنا ان کے اس وقت انوکھا اور عجیب واقعہ محسوس ہوا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ "اس مقالمہ میں چھ ہمارے اور چھ ہی آپ کے افراد شامل ہوں گے" خرم صاحب بیان کرتے ہیں کہ شروع سے میری بھی یہی رائے تھی کہ گوشہ نشینی زہر قاتل ہے، لہذا اگر مقابلہ کرنا ہی ہے تو کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ دوسرا میں یہ احساس تھا کہ وہ ہمیں عیسائیت کے حوالے سے بیان کریں، مگر ہم ان کو اسلام کے حوالے سے کیا بیان کریں؟ بہر حال ہمیں عیسائیت سے مکالمہ کرنے کے چیلنج کو قبول کرنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ میرے علاوہ مرغوب احمد، قاضی انوار الحق، احمد الاحمد (مصری) اور راوی (عراقی) شامل تھے۔ عمر چھاپرا امتحانات کی وجہ سے اس مکالمہ میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ عیسائیوں کی جانب سے تین لڑکیاں اور تین ہی لڑکے شامل تھے۔ جس کی تفصیل کے لیے ایک تقاضہ یہ ہے کہ ایک الگ مضمون لکھا جائے جس کو کسی اور موقع پر تذکرہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان شاءاللہ

1977ء میں برطانیہ میں "دی اسلامک فاونڈیشن" لیسٹر جیسے بلند پایہ دینی، علمی اور اشاعتی ادارے سے بطور ڈپٹی ڈائریکٹر وابستگی اختیار کی۔ 1978ء میں "اسلامک فاونڈیشن" کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اس دوران

فاؤنڈیشن کے کام کو وسعت دی۔ سمعی و بصری منصوبے، نوجوانوں میں کام کے منصوبے اور بین المذاہب شعبے کا آغاز کیا۔ آپ نے کتب کے ترجمہ، تالیف اور اشاعت کے کام میں وسعت پیدا کی۔1979ء میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) کی دعوت پر امریکہ کا طویل دورہ کیا۔ اس دوران مغرب میں اسلام کو آگے بڑھانے کے لیے لائحہ عمل پیش کیا۔

1980ء میں اسلام اور اسلامی دنیا سے متعلق یورپ شائع ہونے والی کتب کے جائزہ و تنقیح پر مبنی تبصروں کے لیے فاونڈیشن سے سہ ماہی مجلہ:Muslim World Book Review کا اجراء کیا۔ جس کے آپ مدیر تھے۔ اسی سال جماعت اسلامی نے یورپ میں دیگر اسلامی تحریکوں اور تنظیموں سے رابطے کے لیے نگران مقرر کیا۔

جماعت اسلامی کی طرف سے جب آپ کو ڈھاکہ کی امارت سونپی گئی تو ڈھاکہ کے امیر بنتے ہی انہوں نے اپنی ماسابقہ روش کو اختیار کرتے ہوئے وہی دعوتی و تربیتی نظام پر توجہ (Focus) دی تاکہ رفقاء جماعت کی تربیت پر اولین ترجیح دی جائے۔ گشتی مراسلوں کے ذریعے انہیں قرآنی سورتوں اور آیات کی طرف متوجہ کیا جس سے فریضہ صلوۃ کی ادائیگی پر توجہ میں مدد ملتی تھی۔ فریضہ صلوت کی ادائیگی کے لیے قرآنی سورتوں اور آیات کی متوجہ کیا۔ اذکار مسنونہ کے لیے مسنون دعاؤں کا مجموعہ تیار کیا۔[39]

خرم مرادؒ عصری ضروریات سے خوب واقف تھے او اسی مناسبت سے ادارہ سازی کے ہمیشہ قائل بھی رہے تھے۔ انکی تعمیری ادارہ سازی کا ایک دلکش مظہر ان کا قائم کردہ علمی انگریزی مجلہ "مسلم ورلڈ بک ریویو" ہے جو 1980ء سے انتہائی پابندی سے سہ ماہی رسالے کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالے میں پروفیسر خورشید احمد بھی ان کے ساتھ ساتھ رہے۔

خرم صاحب نے اس مجلے کے ذریعہ مغرب میں موجود اسلام کے حوالے مستشرقین کے تعصبات، مغالطوں، ذہنی تحفظات کی پردہ کشائی اور ہر مسئلے ہر اسلامی مؤقف کی تائید اور ان کی ہرزہ سرائی کا بھر جواب دیا۔ انہوں نے ہی مغرب ہی کے محارہ بیان میں اسلامی نقطہ نظر کی تشریح اور ترجمانی کی بنیاد ڈالی۔

---

[39]۔ خرم مرادؒ: حیات و خدمات، ص:76

یہ خرم مرادؒ کی تعمیرِ ادارہ سازی کی بدولت ہی ممکن تھا کہ اسلامک فاؤنڈیشن کو وہ پزیرائی حاصل ہوئی جو کہ ان کے بغیر ممکن نہ تھی۔1980ء میں آپ نے اس فاؤنڈیشن کی قیادت قبول فرمائی اور اس کے بعد انہوں اسے ایک بہترین دعوتی، فکر ی اور اشاعتی ادارے کے طور پر متعارف کر وا دیا تھا۔انہوں نے فاؤنڈیشن میں بعض ایسے شعباجات کی بنیاد ڈالی جن کی اہمیت و افادیت کا کماحقہ ادارہ اب تک پوری طرح عالم اسلام میں نہیں ہے۔انہوں نے فاؤنڈیشن میں "عیسائی مسلم تعلقات" کا شعبہ قائم کیا۔

اسلام کی حقانیت کو منظر عام پر لانے کے لیے جامع اسلامی طرز حیات کا تعارف ناگزیر ہے۔اس فاؤنڈیشن نے مغربی دنیا کو اسلام معاشیاتی نظام سے اس قدر واقف کر دیا ہے کہ اب متعدد برطانوی دانش گاہوں میں اسلامی معاشیات بطور مضمون درج ہے۔

اس فاؤنڈیشن نے مغربی دنیا کے اندر اسلامی کتب کی شاعت وترویج میں کافی زیادہ کام کیا۔اور جدید ترین ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے لوگوں کو اپنے ساتھ منسلک کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔خرم مرادؒ کی یہ کوشش تھی کہ اسلامک فاؤنڈیشن دیگر اعلیٰ تدریسی اور تحقیقی اداروں کے ساتھ ایسا اشتراک عمل میں لائے جس سے دین اسلام سے جدید علوم وفنون بھی متعارف کروائے جاسکیں۔اس وقت انہوں نے لیسٹر پولی ٹیکنیک یونیورسٹی سے بھی باقاعدہ رابطہ وتعاون کیا گیا تاکہ اسلام کے بارے میں لیکچرز کے ذریعے طالب علموں اور اساتذہ کی رہنمائی کی جائے۔

خرم مرادؒ نے شب وروز کو استعمال میں لاتے ہوئے نہ صرف اسلامک فاؤنڈیشن کے تحت دین کی اشاعت کا کام کیا، بلکہ اس کو برطانیہ سے نکال کر اس کا دائرہ کار پورے یورپ میں پھیلا دیا۔اور اسی طرح دیگر ممالک کی تحاریک کی دعوت میں حائل بنیادی مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی بھی بھرپور کوشش کیں۔چاہے وہ تعلیمی میدان تھا یا پھر تحقیقی واشاعتی میدان تھا یا مساجد ومدارس کا انتظام وانصرام۔

خرم مرادؒ صاحب یو۔کے اسلامک مشن کے ایک سرگرم اور متحرک کارکن سمجھے جاتے تھے۔انہیں اس سے کام کرنے میں کافی زیادہ دلچسپی تھی۔وہ اس کی سالانہ کانفرنسوں میں تربیتی پروگرامات اور بعض مرتبہ مرکزی شوریٰ کے اجلاس مُس بھی شرکت کیا کرتے تھے۔کانفرنس میں ان کے ارشادات وخطابات پر ہی اثر انگز اور پر اثر سمجھے جاتے تھے۔

خرم مرادؒ صاحب نے برطانیہ اور دیگر یورپین بچے جو کہ ادب سے بالکل محروم ہو چکے تھے، ان کے لیے باقاعدہ طور پر لائبریریاں قائم کی۔ اور اپنے قلم سے خود تحریرات بھی لکھیں جو کہ آج بھی بہت مقبول سمجھی جاتیں ہیں۔ ان کی ہر تحریر سبق آموز اور اثر انگیز ہے جو کہ ان کی دل کی گہرائیوں سے نکلتی محسوس ہوتی تھیں۔[40]

خرم مراد صاحبؒ کو شروع ہی سے مسلمان نوجوانوں میں کام کرنے کا انتہائی درجہ تک شوق تھا۔ اور یہ ان کا اپنا تجربہ تھا کہ آبادی کو جو لوگ زیادہ متاثر کر سکتے ہیں وہ نوجوان طبقہ ہی ہے جو ان کی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں اور ان کے کلچر سے مانوس ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر مسلمان نوجوانوں کو اس کام کے لیے اکسایا جائے اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے تو وہ اسلام کا ہر اول دستہ بن کر ابھر سکتے ہیں۔ انہوں نے اس نظریہ کے حوالے سے دو کتابیں بھی تحریر کیں، جن کا نام درج ذیل ہیں:

"Dawah among non- Muslim in the west muslim youth in the west: Towards the education Stategy"

ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ اسی معاشرے کے نوجوان نہ صرف اسلام کو قبول کر لیں بلکہ اسلام کی ترویج و اشاعت میں اپنا رول ادا کریں۔ اور یہی نوجوان کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ لہذا انہوں نے اپنی اسی سوچ اور فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے 20 سے زائد نوجوانوں پر مشتمل ایک ورکشاف کا بھی انعقاد کروایا۔ جس میں برطانیہ کی تحریک سے وابستہ نوجوانوں نے شرکت کی۔

انہوں نے نوجوانوں کی صلاحیتوں کے اضافے کے لیے دسمبر 1984ء میں ینگ مسلم کا قیام عمل میں لایا۔

بہر حال خرم مرادؒ اس دور میں احیائے اسلام کی چلتی پھرتی تحریک تھے۔ ان کے لٹریچر ان کے دروس، ان کی آڈیوز، ان کے فکر احیائے اسلام کے لیے تھی۔ اللہ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائیں۔

نتائج:

"احیاء" کے مفہوم کو دیکھتے ہوئے "احیائے اسلام" کے معنی یہ ہوں گے، دین کو زندہ کرنا، اسے حیات نو دینا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دین اور دینی اقدار کہ جو زندگی سے محروم ہو چکی ہیں انہیں ہم پھر سے زندہ کرنا۔

---

[40]۔ خرم مراد: حیات و خدمات، ص: 171، 165

برصغیر جو کہ پچھلی کئی صدیوں سے پہلے فکر اسلامی اور پھر احیائے اسلام کا اصل مرکز رہا ہے۔ کا سرسری سا جائزہ لیا ہے کہ برصغیر میں یہ کام کب شروع ہوا۔ س عمل کا اولین آغاز اس وقت ہوا جب تاتاریوں کی تباہ کاریوں سے پناہ کی تلاش میں وسط ایشیا اور بلاد عرب کے لوگ ہندوستان آنا شروع ہوئے۔ چین سے لے کر روس اور وسط ایشیا سے لے کر یورپ تک تاتاری جہاں جاتے یلغار کرتے اور کوئی ان کا مقابلہ کرنے والا نہیں تھا۔ ایسے میں جائے پناہ صرف ہندوستان تھا جہاں سلاطین دہلی حکمران تھے۔ ان سلاطین نے عشروں تک تاتاریوں کو پے در پے شکست دے کر اس وقت انھیں اس خطے پر قابض ہونے سے باز رکھا جب پوری دنیا تاتاریوں کی رزم گاہ بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنی جان اور آبرو بچا کر اس خطے میں آگئی۔ مسلسل عروج کے بعد یہاں بھی زوال کا سفر شروع ہوا برصغیر میں امت مسلمہ کے مجموعی انحطاط کے بعد اس امت اور دین کے احیاء کے لیے جو نامور شخصیات ظہور پذیر ہوتی رہیں، ان میں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ پھر جہادی تحریکوں میں سید احمد بریلوی شہیدؒ اور شاہ ولی اللہ شہیدؒ کی تحریک مجاہدین، اسی طرح اجتماعی تحریکات میں بنگال میں حاجی شریعت اللہؒ کی فرائضی تحریک جس کا نعرہ تھا۔

اسی تحریک کے بعد حاجی نثار علی طیتومیرؒ کی تحریک، دارالعلوم دیوبند کی تحریک، سید احمد رضا بریلویؒ کی تحریک، تحریکِ ریشمی رومال، اسی طرح سیاسی تحاریک میں تحریک خلافت، تحریکِ آزادی ہند میں قابلِ ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد بالقلم کی تحریکیں بھی بہت اہم ہیں۔ جن میں قلم کے ذریعے امت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ جن میں گزشتہ صدی میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے۔

اس کے بعد ہم نے علامہ اقبال اور احیائے اسلام پر بات کی تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ گزشتہ صدی میں اٹھنے والے آوازوں میں سے کس آواز نے برصغیر میں اسلامی احیا کی تحریک کو زندہ کیا اور صدی کے آخر تک اس تحریک میں خرم مرادؒ کا مقام کیا تھا آرٹیکل میں تذکرہ کیا کہ: علامہ اقبال نے شعور کی آنکھ کھولی تو پورا عالم اسلام نہایت ہی پیچیدہ مسائل کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ فکری اور سیاسی دونوں اعتبار سے مغرب اس پر حاوی ہو چکا تھا۔ بیشتر اسلامی ممالک مغربی سامراج کے محکوم تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ اس موقع پر اس صدی میں احیائے اسلام کے لیے جو آوازیں بلند ہوئیں ان میں سب سے توانا، بلند اور موثر آواز علامہ اقبال کی تھی۔ اقبالؒ نے احیائے اسلامی کی آواز کو بلند کیا۔ احیائے اسلام کے لیے فکری اور علمی سطح پر عالم اسلام کی فضا کو ساز گار بنانے میں

علامہ اقبال کا رول اہم ہے علامہ اقبال بیسویں صدی میں احیائے اسلام کی جدوجہد میں ایک نمایاں علامت کی حیثیت رکھتے ہیں اسلام کی سربلندی کے لیے ان کے بے تاب جذبوں اور مضطرب تمناؤں کا راز اس امر میں پوشیدہ ہے کہ انہیں اسلام کی حقانیت کے ساتھ، اسلام کے روشن مستقبل پر بھی کامل یقین تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عالم اسلام کے مایوس کن حالات کے پس منظر میں، اقبال نے عالم اسلام کو غلبہ اسلام کی نوید سنائی۔

اسی پسِ منظر میں برصغیر میں آخری اوراہم تحریک کانام لیاجاسکتاہے،وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی علمی وفکری اور سیاسی تحریک ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز پر مسلمانوں کا سیاسی زوال اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اس سیاسی زوال کے زیر اثر مسلمانوں میں احیائے اسلام کی فکر پیدا ہوئی جس کا مطمع نظر ایک دفعہ پھر دنیا پر اسلام کی عظمت کو غالب کرنا تھا۔ اس فکر کے حاملین وہ اہل علم تھے احیائے اسلام اور دعوت الی القرآن کی برصغیر میں آواز، مولانا آزاد اور مولانا مودودیؒ تھے۔ مولانا آزاد نے احیائے اسلام کی صدا بلند کی مگر عملی سیاست میں ان کی دلچسپی ان کے تفسیری اور فکری کام میں رکاوٹ بنی رہی اور ان کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' مکمل نہ ہو سکی۔ مولانا مودودی نے عملی سیاست سے مکمل کنارہ کشی تو اختیار نہ کی لیکن ساتھ ساتھ فکری محاذ پر خود کو وقف کیا اور اپنے رسالے ترجمان القرآن سے احیائے اسلام کو ایک پوری فکر کی شکل میں منظم کر کے پیش کیا جس کی اساس قرآن مجید پر رکھی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا رادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا کرتے دیتے ہیں اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں رہنمائی عطا کرتے ہیں۔ اپنے دین کی خدمت، اس کے پیغام کی سرفرازی، وسربلندی اور دیگر انسانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ تاریخ اسلامی کا دامن ایسے نفوس قدسیہ کے افکار و خدمات کے تذکروں سے مالامال ہے، جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات، بے خدا تہذیب کے زہر آلود نظریات اور بے گناہ افکار و توہمات کی جھاڑ جھنکار میں اللہ کے خالص دین کو لوگوں تک پہنچایا اور احیائے اسلام کا اہم فرض نبھایا۔ ذہنی پراگندگی کو دور کرنے کی کوشش کی، دین پر دشمنوں کو حملوں کا جواب دیا اور محض اللہ کی رضا کے لیے، اسی کے فضل وکرم کے طفیل، اپنی جان کو اس کے کام میں کھپایا۔

اسلامی تحریک کے رہنما اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والے خرم مرادؒ کی زندگی کے شب و روز پر سرسری نظر ڈالیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ بھی احیائے اسلام کے لیے اللہ کی طرف سے منتخب بندوں میں شامل تھے۔ جن کے قلب و ذہن، دست و قلم اور جسم جان کی تمام قوتوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے احیا کا کام لیا۔